

# مکالمات

## دعوت کے طریقے

از جناب مولانا امین احسن صاحب مدظلہ العالی

بعض دینی معلقوں میں خدا جانے یہ خیال کہاں سے پھیل گیا ہے کہ تبلیغ کا معیاری اور اعلیٰ طریقہ یہ ہے کہ آدمی ہاتھ میں ایک لٹھیا اور جھونپی میں تھوڑے سے چنے لے لے اور تبلیغ کے لیے نکل کھڑا ہو۔ تپاں میں جوتی ہو نہ سر پر ٹوپی، گاؤں گاؤں پھرے اور جس جگہ کوئی شخص مل جائے، خواہ وہ سنے یا نہ سنے، اس پر تبلیغ شروع کر دے۔ اگر کسی شہر میں گذر ہو تو وہاں جس نمکڑیا چوراہے پر چار آدمی نظر آجائیں وہیں تقریر کے لیے کھڑا ہو جائے۔ ریل میں اسٹیشن پر، بازار میں، سڑک پر جس جگہ کوئی بھیڑ مل جائے وہیں اس کا وعظ شروع ہو جائے۔ ہر مجلس میں گھس جائے، ہر کانفرنس میں اپنی جگہ پیدا کر لے، ہر پلیٹ فارم پر جا دھکے۔ سننے والے تھک تھک جائیں لیکن وہ سنانے سے نہ تھکے، لوگ اس کے تعاقب سے گھبرا گھبرا جائیں لیکن وہ خدائی فوجدار بنا ہوا ہر ایک کے سر پر مسلط رہے، لوگ اس کے سوال و جواب کے ڈر سے پھپھتے پھریں اور بسا اوقات آزدہ ہو کر گت خیاں اور بدتمیزیوں بھی کر بیٹھیں لیکن وہ اسی جوش و انماک کے ساتھ اپنا کام جاری رکھے۔ جہاں وعظ کی ضرورت ہو وعظ کئے، جہاں میلاؤ کی خواہش کی جائے میلاؤ پڑھوے اور جہاں مخالفین و منکرین سے سابقہ پڑ جائے وہاں خم ٹھونک کے میدان مناظرہ میں بھی اتر پڑے۔ یہ ہے تبلیغ کا اصلی طریقہ اور یہ ہے ایک سچے مبلغ کی صحیح تصویر جو ہمارے بہت سے دیندار لوگوں کے ذہنوں میں موجود ہے۔ تبلیغ و نسیم کے موجودہ ترقی یافتہ اور سائنسی طریقے کے تھوڑے بہت مفید ہونے کے ممکن ہے یہ لوگ منکر نہ ہوں لیکن خیر و برکت والا طریقہ ان کے نزدیک یہی ہے جس کو ان کے خیال میں حضرات انبیاء نے اختیار فرمایا۔

ہمارے نزدیک اس طریقہ کو انبیاء کا طریقہ سمجھنا کچھ تو انبیاء کے طریقہ سے ادا حقیت کا نتیجہ ہے اور

کچھ ان حضرات کی اس خواہش کا کہ ان کا اپنا اختیار کیا ہوا طریقہ جس کے سوا کسی اور طریقہ کو اختیار کرنے کی صلاحیت سے وہ محروم ہیں، ایک محترم و مقدس طریقہ ثابت ہو جائے۔ اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لیے آج کی صحبت میں ہم بتائیں گے کہ انبیائے کرام نے تبلیغ کے جو طریقے اختیار کیے ہیں وہ ان کے زمانوں کے لحاظ سے نہایت اعلیٰ اور ترقی یافتہ طریقے تھے اور یہ طریقے حالات کے تغیر اور تمدنی ترقیوں کے ساتھ ساتھ بہتر ہوتے رہے ہیں۔ اس بات کا ثبوت ہے کہ اس معاملہ میں کسی ایک ہی طریق پر اصرار صحیح نہیں ہے بلکہ داعیانِ حق کو چاہیے کہ وہ ہر زمانہ میں تبلیغ و تعلیم کے لیے وہ طریقے اختیار کریں جو ان کے زمانوں میں پیدا ہو چکے ہوں اور جن سے اپنی کوششوں اور قابلیتوں کو زیادہ سے زیادہ مفید اور نتیجہ خیز بنایا جاسکتا ہو۔

۱۔ اس سلسلہ میں سب سے زیادہ قابلِ لحاظ چیز یہ ہے کہ انبیائے کرام نے تبلیغ کے کام میں ہمیشہ کوشش کیا گیا، کسی ایک ہی طریقہ پر اصرار نہیں کیا ہے بلکہ جس رفتار سے دنیا میں علم و فن ترقی کرتا گیا، اسی اعتبار سے ان کی تبلیغ و تعلیم کے طریقے بھی بدلتے گئے ہیں۔ ابتدائی دور تمدن میں جب کھنے پڑھنے کا فن وجود میں نہیں آیا تھا، انبیاء کی تعلیم و تبلیغ بھی زبانی تھی۔ وہ نیکی اور سچائی کے کچھ اصول لوگوں کو زباناً اگر تلقین کر دیتے اور لوگ ان کو یاد کر لیتے جو نسل بعد نسل روایات کی شکل میں ان کے ماننے والوں میں منتقل ہوتے رہتے۔ یہاں تک کہ جب امتداد زمانہ و انمول فراوسش ہو جاتے یا ان کے اندر دوسری آمیزشیں ہو جاتیں تو اللہ تعالیٰ کسی اور نبی کو بھیجتا جو اگر اس تعلیم کو از سر نو تازہ کر دیتا۔ جب تک تحریر کا فن ایجاد نہیں ہوا، تبلیغ کے معاملہ میں سارا اعتماد شخصی ارتباط، زبانی افہام اور قوت حافظہ پر ہا، لیکن جب ان نے تحریر کا فن ایجاد کر لیا جس نے ایک حد تک انسان کو ان چیزوں سے مستغنی کر دیا اور لوگوں تک کسی چیز کے پہنچانے اور ان کو ان کے اندر محفوظ رکھنے کا ایک اور ترقی یافتہ طریقہ پیدا ہو گیا تو انبیائے کرام نے اس کو بھی اختیار فرمایا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے زبانی تلقین کے بجائے تورات کے احکام اپنی قوم کو تختیوں پر لکھ کر دیے۔ اسی طرز عربوں کو دین کی تعلیم قلم کے ذریعہ سے دی گئی اور اللہ تعالیٰ نے ان پر اس بات کا احسان جتا یا کہ ان کو صرف زبانی تلقین کے بجائے قلم کے ذریعہ سے تعلیم دی گئی ہے جو تعلیم کا ایک اعلیٰ اور محفوظ ترین ذریعہ ہے۔

اور ترقی اور تیز رفتاری سے دنیا میں علم

اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِي عَلَّمَ

بِأَقْلَابِهِمْ يَعْلَمُونَ مَا لَمْ يَغْلِبْهُمْ (۲-۵-۵) نے تعلیم دی اور انسان وہ چیز سمجھائی جس سے وہ نا آشنا تھا۔ اس آیت سے صاف واضح ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و کرم ہے کہ انسان کو قلم کے استعمال کا اس نے ڈھنگ سکھایا اور پھر اس کے اس ترقی یافتہ طریقہ کو تعلیم دین کا ذریعہ بنایا جس کی وجہ سے وہ اس رائق ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت — کتاب — کے پانے کا مستحق ہو۔ زبانی تعلیم کے مقابل میں قلم اور کتاب کی تعلیم کو جو ترجیح حاصل ہے اور اس میں تمام حجت اور تبلیغ کامل کے جو پہلو ہیں ان کی طرف قرآن نے جگہ جگہ اشارات کیے ہیں لیکن یہ موقع اس کی تفصیل کا نہیں ہے۔ یہاں ہم جس بات کو سامنے لانا چاہتے ہیں وہ صرف یہ ہے کہ انبیاء کا طریقہ تبلیغ کوئی جامد طریقہ نہیں ہے بلکہ انسان کی علمی و ذہنی ترقیوں کے ساتھ ساتھ اس میں تبدیلی اور ترقی ہوتی رہی ہے جس سے اس بات کا اشارہ ملتا ہے کہ سائنس اور تمدن کی ترقی سے انسان کے وسائل کار اور ذرائع معلومات میں جو اضافے ہوئے ہیں ان سب سے پہلے اور سب سے زیادہ فائدہ اٹھانے کا حق دہیمان حق کو ہے۔ مثلاً آج پریس اور ریڈیو وغیرہ نے انسان کی قوت ابلاغ کو کہیں کہیں پہنچا دیا ہے ایک بڑی سے بڑی تقریر چند منٹوں کے اندر دنیا کے ایک گوشہ سے لے کر دوسرے گوشہ تک پہنچانی جا سکتی ہے، کسی وسیع سے وسیع تحریک سے چند دنوں کے اندر اندر دنیا کے تمام پڑھے لکھے انسانوں کو آشنا کیا جا سکتا ہے، مشکل سے مشکل باتیں بہت معمولی محنت سے عوام اور خواص سب کے ذہن نشین کی جا سکتی ہیں۔ اس وجہ سے ضروری ہے کہ آج حق کی تبلیغ کے لیے ان ذرائع پر قبضہ کیا جائے۔ اگر اہل حق یہ خیال کر کے ان چیزوں کو نظر انداز کر دیں کہ انبیاء نے تبلیغ دین کے کام میں ان چیزوں کو استعمال نہیں کیا ہے بلکہ دروازہ دروازہ پر پہنچ کر ایک ایک شخص پر تبلیغ کی ہے اس وجہ سے ہمارے لیے بھی ادنیٰ یہی ہے کہ ہم ان چیزوں کو ہاتھ نہ لگائیں بلکہ گھر گھر پہنچ کر لوگوں کو تبلیغ کریں تو یہ انبیاء کے طریقہ کی پیروی نہیں ہے بلکہ شیطان کا ایک بہت بڑا ہتھیار ہے جو وہ اس لیے دے رہا ہے تاکہ جب تک آپ اپنے "دیندارانہ" طریقہ پر چل کر دو آدمیوں سے کوئی بات کہیں۔ اس وقت تک وہ ان سائنٹفک وسائل سے کام لے کر ہزاروں لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں انسانوں تک اپنی دعوت باطل نہایت موثر طریقہ پر پہنچا دے۔ شیطان نے یہی دھوکہ دے کر اکثر اہل حق کی کوششوں اور قابلیتوں کو نقصان پہنچا دیا ہے اور ان کے

مقابل میں خود اپنا پلہ بھاری رکھا ہے یہاں تک کہ آہستہ آہستہ اب زندگی کے ہر میدان میں یہ پیچھے ہیں اور وہ اُگے ہے اور دونوں کی کوششوں کے نتائج میں سرے سے کوئی نسبت ہی باقی نہیں رہ گئی ہے اور یہی صورت حال اس وقت تک باقی رہے گی جب تک اہل حق ان زبردست قوتوں کو حق کی خدمت میں استعمال کرنے کا ڈھنگ نہ سیکھ جائیں جو آج سو فی صدی شیطان کے تصرف میں ہونے کی وجہ سے باطل کی خدمت میں صرف ہو رہی ہیں۔

۲۔ دعوت کا طریقہ جس طرح سائنٹفک نقطہ نظر سے بہت اعلیٰ اور ترقی یافتہ ہونا چاہیے تاکہ باطل سے پوری قوت کے ساتھ مقابلہ ہو سکے اسی طرح معاشرتی اور اجتماعی پسند سے زندگی میں جو ترقیاں ہو چکی ہیں ان سے بھی اس کام میں پورا فائدہ اٹھانا چاہیے تاکہ دعوت وقت کے معیار کے لحاظ سے باوقار اور اس مقصد کے لیے ضروری ہے کہ سوسائٹی کے اندر آپس میں مل میٹھنے، تبادلہ خیالات کرنے، اپنے خیالات کو سنانے اور دوسروں کے خیالات کو سننے کسی امر کو اجتماعی طور پر طے کرنے کے جو طریقے رواج پانچکے ہوں، اگر ان میں کوئی اخلاقی و شرعی قباحت نہ ہو، تو اہل حق ان کو اپنائیں اور تبلیغ حق میں ان سے کام لیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت کے کام میں ان تمام طریقوں سے فائدہ اٹھایا جو اس عہد کی معاشرت اور اجتماعی زندگی میں ترقی پانچکے تھے اور دعوت کے نقطہ نظر سے کارآمد تھے۔ اول اول جب آپ نے اپنے خاندان کے اکابر کو جو حقیقت و وقت کے بھی اکابر تھے۔ اپنے مقصد سے آگاہ کرنا چاہا تو آپ کے لیے طریقہ یہ اختیار فرمایا کہ حضرت علیؑ کو حکم دیا کہ دعوت کا سامان کرو اور تمام خاندان مطلب کو کھانے پر بلاؤ۔ حضرت علیؑ نے اس حکم کی تعمیل کی۔ پورا خاندان مطلب جمع ہوا۔ حضرت حمزہؑ، ابوطالب اور عباس سب لوگ شریک ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے کے بعد کھڑے ہو کر ایک تقریر فرمائی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ میں ایک ایسی چیز لے کر آیا ہوں جو دین و دنیا دونوں کی سعادت کی کیفیں ہے پھر آخر میں حاضرین سے سوال فرمایا کہ اس بارگراں کو اٹھانے میں آپ میں سے کون میرا ساتھ دینے کے لیے تیار ہے؟ اس سوال پر سب لوگ خاموش رہے۔ تھوڑی دیر کے انتظار کے بعد حضرت علیؑ نے ایک گوشہ سے اٹھ کر نہایت موثر الفاظ میں فرمایا کہ گوجھ کو آشوب چشم ہے، گو میری مانگیں تلی ہیں اور گو میں سب سے نوجرموں تاہم میں آپ کا ساتھ دوں گا۔

اس طریقہ کے علاوہ آنحضرت صلعم نے دوسرے عام طریقے بھی اختیار فرمائے مثلاً مکہ اور طائف کے سرداروں سے ملنے اور ان کے سامنے اپنی دعوت پیش کرنے کے لیے خود تشریف لے جاتے۔ حج کے زمانے میں جو قبیلے مکہ کے آس پاس آکے ٹھہر جاتے آپ ان کے سرداروں سے ملتے اور ان کو دعوت اسلام دیتے۔ بعض مقامات پر یا بعض خاص خاص لوگوں کے پاس اپنے نمائندے بھی بھیجتے۔ عرب میں کچھ موسمی بازار لگتے تھے جن میں ہر طبقہ کے لوگ جمع ہو جاتے تھے، آپ ان بازاروں میں بھی تشریف لے جاتے اور لوگوں کے سامنے اپنی دعوت پیش کرنے کے موقعے پیدا کرتے۔ بہت سے لوگوں کو آپ نے خطوط کے ذریعہ بھی دعوت دی۔ غرض اس زمانہ میں لوگوں کو کسی چیز سے قریب کرنے یا لوگوں سے قریب ہونے کے جو طریقے پیدا ہو چکے تھے، اگر ان میں کوئی اخلاقی خرابی نہیں تھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت کے کام میں ان سے فائدہ اٹھایا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر عہد میں لوگ انہی طریقوں سے مانوس ہوتے ہیں جو اس عہد کی تمدنی و اجتماعی زندگی میں رواج پا چکے ہیں اس وجہ سے ضروری ہوتا ہے کہ لوگوں کے ساتھ معاملہ کرنے میں انہی طریقوں کو اختیار کیا جائے جو ان کے طبائع اور حالات کے مناسب ہیں۔ جس طرح لوگ ملتے ہیں اسی طرح ان سے ملا جائے، جس طرح لوگ کسی بات کو سنتے ہیں اسی طرح ان کو سننے کی کوشش کی جائے، جس طریق کار کو لوگ باوقار سمجھتے ہیں اسی طریق کار کو اختیار کیا جائے۔ اگر ایک داعی — بالخصوص ایک داعی حق — ان طریقوں کے اختیار کرنے سے اس وجہ سے گریز کرے کہ یہ طریقے اس کے اپنے مذاق کے خلاف ہیں، یا وہ ان کو اختیار کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا، یا ان طریقوں پر قدامت کی مہر نہیں لگی ہوئی ہے، اس وجہ سے اس کے نزدیک وہ معیار ہی نہیں ہیں، تو ان باتوں کا لازمی نتیجہ اس کی دعوت کی ناکامی ہے اور اس کی مخلصانہ کوششوں کی کوئی بڑی سے بڑی مقدار بھی اس کی دعوت کو اس انجام سے نہ بچا سکے گی۔ اگر ایک شخص آج دعوت دین کے لیے یورپ کے کسی ملک میں جائے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ لوگوں سے اپنا ربطاڑھلنے اور ان کے اندر اپنے خیالات پھیلانے کے وہی ذرائع اور وہی طریقے اختیار کرے جو وہاں کی اجتماعی اور تمدنی زندگی میں رواج پا چکے ہیں۔ اگر وہ ایسا نہیں کر سکتا یا نہیں کرنا چاہتا بلکہ اس بات پر مصر ہے کہ وہ مشرکوں پر عمل بھرا کر ہی لوگوں کو کلمہ اور نماز سکھائے گا تو خواہ یہ شخص کتنا ہی مخلص ہو

لیکن وہ اپنے اس بے ڈھنگے پن سے اپنی محنت بھی رائیگاں کرے گا اور کلمہ اور نماز کی عزت بھی خاک میں ملانے لگا۔ اس سلسلہ میں ایک داعی حق کی احتیاط صرف اس عندناک ہونی چاہیے کہ وقت کے مقبول اور رائج طریقوں میں سے وہ ان طریقوں کو اختیار کرے جن میں کوئی پہلو اخلاق کے خلاف ہو۔ اور اگر اس طرح کا کوئی طریقہ کسی خاص ضرورت سے اختیار ہی کرنا پڑ جائے تو اس کو اس اخلاقی برائی سے پاک کر لے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بالکل اول اول اپنی قوم کو غفلت سے بیدار کرنے اور اپنی بات کی طرف متوجہ کرنے کے لیے کوہ صفا پر چڑھ کر جو نعرہ لگایا اس کی اصلی شکل عرب جاہلیت میں یہ تھی کہ خطرہ کی شدت کا اظہار کرنے کے لیے نعرہ لگانا سوا الا اپنے سارے کپڑے اتار کر بالکل ننگا ہو جاتا تھا، چنانچہ عربی میں اس کو "النڈیر العریان" کہتے بھی تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو چونکا کرنے کا طریقہ تو وہی اختیار فرمایا جو ایک نذیر عریان کا ہوتا تھا لیکن عریان ہونا چونکہ ایک سخت قسم کی بے حیائی اور بد اخلاقی تھی اس وجہ سے آپ نے اس برائی سے اس طریقہ کو پاک کر لیا۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ موجودہ زمانہ میں جو مجلسی اور اجتماعی طریقے پیدا ہو چکے ہیں ان میں اگر کوئی پہلو برائی کا ہے تو اس برائی کی وجہ سے ان کو مکلف رد کر دینا کچھ ضروری نہیں ہے بلکہ کرنا یہ چاہیے کہ ان طریقوں کو برائیوں سے پاک کر کے ان کو مقصد حق میں استعمال کیا جائے۔

آج متمدن ملکوں میں کسی نکرہ کو لوگوں کے اندر پھیلانے کے جو بے شمار طریقے پیدا ہو چکے ہیں وہ جس طرح برائیوں کو پھیلانے میں کارآمد ہیں اسی طرح جھلانیوں کے پھیلانے میں بھی نہایت کارآمد ہو سکتے ہیں ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ برائیوں سے بچ کر ان سے فائدہ اٹھایا جائے لیکن مشکل یہ ہے کہ آج جو لوگ ان کو اختیار کرتے ہیں وہ یا تو ان کو ان کی تمام موجودہ خصوصیات کے ساتھ اختیار کرتے ہیں خواہ کسی مقصد حق ہی کے لیے استعمال کریں یا اس خیال سے سرے سے ان کو ہاتھ ہی نہیں لگانا چاہتے کہ ان میں بعض پہلو برائی کے بھی ہیں۔

یہ دو ماصولی ہدایتیں ان طریقوں سے متعلق لحاظ رکھنے کی ہیں جو ایک داعی حق کو اپنی دعوت کے سلسلہ میں اختیار کرنے ہیں۔ اب بعض ہدایتیں ان طریقوں سے متعلق ہم ذکر کریں گے جن سے بہر حال ایک داعی حق کو احتراز کرنا ہے۔

اس سلسلہ میں اہل حق بات یہ ہے کہ داعی کو کوئی ایسا طریقہ نہیں اختیار کرنا چاہیے جو دعوت یا داعی کے وقار یا مفاد کے خلاف ہو۔ ایسی باتیں جو دعوت یا داعی کے وقار یا مفاد کے خلاف ہوں بہت سی ہو سکتی ہیں۔ ان سب کو گننا مشکل ہو گا صرف بعض باتیں ہم بطور مثال ذکر کریں گے جن سے فی الجملہ اندازہ ہو سکے گا کہ داعیان حق کو کس قسم کے طریقوں سے بچنا چاہیے۔

الف۔ ایک داعی حق کو استقامت کے ان تمام طریقوں سے بچنا چاہیے جن سے دعوت کی شان یا خود داعی کے وقار کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ اپنے کام میں غیر معمولی اہمیت اور لوگوں کو حق کی طرف کھینچنے کی زیادہ سے زیادہ خواہش ایک داعی کی بہترین خصوصیت ہے لیکن اس اہمیت اور اس خواہش کو اس حد تک نہیں بڑھانا چاہیے کہ داعی کو اپنے نفس کے حقوق کا کچھ ہوش رہے نہ اپنے ساتھیوں اور دوستوں کا کچھ خیال رہے اور نہ اپنی دعوت کے مرتبہ اور مقام ہی کی کچھ پروا رہ جائے۔ جو سنتا نہیں چاہتے ان کو سنانے کے درپے ہونا، بھاگنے والوں کے پیچھے پڑنا، نفرت کرنے والوں کو پر جانا اور گھمنڈ کرنے والوں کی تواضع کرنا سب وہیں تک جائز ہے کہ داعی کی خودداری اور دعوت کی عظمت کی عظمت کو کوئی نقصان نہ پہنچے اور دعوت کے کام میں کوئی پہلو ابتداء کا نہ پیدا ہونے پائے۔ اگر معاملہ اس حد سے آگے بڑھتا نظر آئے تو جس حق کی محبت داعی کو اس حد تک چھلکنے پر مجبور کر رہی ہے اسی حق کے احترام کا تقاضا ہے کہ وہ پوری خودداری کے ساتھ ایسے لوگوں سے الگ ہو جائے اور صرف ان لوگوں کو اپنی توجہ کام کرنا بلکہ جن میں حق کی طلب اور علم کی پیاس موجود ہے۔ سورہ عبس کی مندرجہ ذیل آیتوں میں آنحضرت صلعم کو مشابہت کی اسی طرح کی استقامت سے روکا گیا ہے اور اس حقیقت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ جس بلند مرتبہ کو لے کر تم اٹھے ہو وہ ایسی نہیں ہے کہ اس کو اس قدر بھگ کر پیش کیا جائے۔ ان آیات میں قرآن کی عظمت اور اس کے مرتبہ کی بلندی کا ذکر اسی پہلو سے ہے۔

لیکن جو بے پروائی برتا ہے تو تم اس کے پیچھے پڑتے ہو حالانکہ تم پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے اگر وہ اپنے آپ کو نہ سزا دے اور وہ جو تمہارے پاس شوق سے آتا ہے اور اپنے خدا

أَمَّا مَنْ اسْتَعْنَىٰ فَآٰنْتَ لَهُ نَصْدَابِي

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِنَّكُمْ كُنْتُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ

مُرِيخِيْنَ فَاَنْتُمْ عَنْهُ تَلْمِيْزٌ كَلَّا اِنَّهَا تَذٰكِرَةٌ

سے ڈرتا بھی ہے تو تم اس سے بے پروائی برتتے ہو۔ ہرگز نہیں

یہ تو بس ایک یاد دہانی ہے سو جو شخص چاہے اس کا فائدہ اٹھائے

معزز، بلند تہذیب اور پاکیزہ محیضوں میں گرامی قدر اور باوقار مشہور ہونے کے لیے

فَمَنْ شَاءَ ذَكَرْهُ فِي مُحْفٍ مُكْرَمَةٍ مِنْ فُجُوَّةٍ

مُطَهَّرَةٍ بِأَيِّ حَيْ سَفَاةٍ كِرَامٍ بَرَسَاةٍ

(۵-۱۶ عین)

تبلیغ کے جوش میں ریاضت جائز نہیں ہے کہ آدمی جس مجلس میں چاہے جادو کھے اور کوئی متوجہ ہو یا نہ ہو

لیکن وہ اپنی بات سناے بغیر نہ ٹٹے یا چٹٹے والے گواگروں کی طرح جو راہ گیر مل جائے اس کے پیچھے پڑ جائے

اور جب تک اس کو سنا نہ لے یا اس سے کچھ سن نہ لے اس وقت تک اس کا پیچھا نہ چھوڑے۔ حضرت

ابن عباس سے روایت ہے کہ:

میں تمہیں اس حال میں نہ دیکھوں کہ تم کسی قوم کے پاس جاؤ

اور وہ اپنے کسی اور کام میں ہوں اور اسی حال میں تم ان کو سنا

شروع کرو بلکہ خاموش رہو اور جب یہ وہ فرمائش کریں تو ان

کو سناؤ اور وہ خواہش سے نہیں۔

وَلَا انْفِيكَ تَاتِي الْقَوْمَ وَهَمَّ فِي حَدِّ

مِنْ حَدِّتِهِمْ فَتَقْصُ عَلَيْهِمْ وَلَكِنْ انصت

فَاِذَا امْرُؤٌ نَحَدَّتْهُمْ وَهَمَّ نِيْسْتَمْعُوْنَه

(بخاری)

کوئی ایسا طریقہ اختیار کرنے سے سخت احتراز کرنا چاہیے جس سے دعوت لوگوں پر بوجھ بن جائے اور وہ

اس سے گھبرانے لگ جائیں۔

شعیق سے روایت ہے کہ عبداللہ بن مسعود لوگوں کو ہر جہاں

کو وعظ سنا کرتے تھے ایک شخص نے ان سے کہا اے ابو

عبدالرحمن میری خواہش ہے کہ آپ روزانہ وعظ کما کریں۔

انہوں نے کہا میں ایسا اس وجہ سے نہیں کرتا کہ کہیں تم پر

بوجھ نہ بن جاؤں۔ میں بھی اسی طرح مانگا کر کے تمہیں نصیحت

سنا ہوں جس طرح آنحضرت صلعم ہم کو مانگا کر کے نصیحت

سنا کرتے تھے کہ ہم بیزار نہ ہو جائیں۔

عن شقیق قال کان عبد اللہ بن

مسعود ینکر الناس فی کل جمعیس فقال له

ساجل یا ابا عبد الرحمن لو ددت انک

ذکر تنافی کل یوم قال اما انک ینعی من ذلک

انی اکر ان املکم وانی اتخولکم بالوعظۃ

کما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

یتخولنا بحافۃ السامۃ علینا

ب۔ داعی حق کو کبھی کوئی ایسا طریقہ نہیں اختیار کرنا چاہیے جو اپنی فطرت کے لحاظ سے دعوت کے



مقصد کے بالکل منافی ہو مثلاً مناظرہ کا طریقہ۔ یہ طریقہ اگرچہ ایک مدت سے دعوت و تبلیغ کا سب سے زیادہ کارگر طریقہ خیال کیا جاتا ہے، اور اس کی اسی اہمیت کی وجہ سے ہمارے اہل فن نے اس پر کتابیں بھی لکھ ڈالی ہیں جو ہمارے غزنی مدرسوں میں پڑھائی بھی جاتی ہیں لیکن دعوت حق کی روح سے جس قدر بعید یہ طریقہ ہے اس قدر بعید کوئی اور طریقہ ہو نہیں سکتا۔ اس میں شبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مجادل اور محتاجہ کی اجازت دی ہے لیکن ان لفظوں کا مفہوم یہ مناظرہ سمجھ لینا جس کی تعلیم ہماری دینی درسگاہوں میں دی جاتی ہے اور جس کے اکھاڑے اُسے دن ہمارے مبلغین اور مناظرین جلاتے رہتے ہیں؛ بالکل غلط ہے چونکہ ہمارے اہل مناظرہ کا زیادہ تر استدلال قرآن مجید کے انہی دو لفظوں سے ہے اس وجہ سے ہم مختصراً ان دونوں لفظوں کا مفہوم قرآن سے واضح کرنے کی کوشش کریں گے تاکہ انبیاء کے مجادل اور محتاجہ اور مروجہ مناظرہ کا فرق واضح ہو سکے۔

قرآن شریف میں دو طرح کے مجادل کا ذکر آتا ہے، ایک مجادل باطل، دوسرا مجادل حسن۔ مجادل باطل کو قرآن نے کفار اور معاندین کی طرف منسوب کیا ہے اور اس کی خصوصیات تقریباً وہی بیان کی ہیں جو عام طور پر اس زمانہ کے مناظروں میں پائی جاتی ہیں۔ وہی اپنی بات پر بلا کسی دلیل معقول کے اصرار، وہی غیر متعلق باتوں پر گرفت، وہی بے فائدہ کج بحثیوں میں تضييع وقت، وہی اپنے حریت کی بات کو نہ خود سننا کسی کو سننے دینا، وہی لائینی موشگافیاں اور بے نتیجہ زبان درازیاں جو عام طور پر اس زمانہ کے مناظروں کی خصوصیات میں شامل ہیں وہی قرآن نے مجادل باطل کی خصوصیات بھی بتائی ہیں اور اہل حق کو ناسختی کے ساتھ ان سے روکا ہے اور صرف احسن طریقہ سے مجادل کی اجازت دی ہے اور اس احسن طریقہ کی وضاحت علمی اور عملی دونوں پہلوؤں سے خود کر دی ہے تاکہ اس کو ہر شخص اچھی طرح سمجھ جائے۔

اس کا علمی طریقہ قرآن نے یہ بتایا ہے کہ مخاطب سے لڑائی کرنے کے بجائے اس بات کو کشش کی جائے کہ جن اصولوں میں اس کے ساتھ اشتراک و اتحاد ہے اس مشترک پہلو کو اس کے سامنے واضح رکھئے تاکہ وہ داعی کی بات سننے کی طرف راغب ہو اور پھر اس کے سامنے ان نتائج کو رکھا جائے جنہیں اقرار کردہ اصول سے لازمی طور پر نکلنے ہیں تاکہ وہ ان کو اپنی بات سمجھ کر قبول

کرنے کی طرف مائل ہو۔ مثلاً فرمایا:

وَلَا تَجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي  
هِيَ أَحْسَنُ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ وَقُولُوا  
آمَنَّا بِالَّذِي أُنزِلَ إِلَيْنَا وَأُنزِلَ إِلَيْكُمْ  
وَالهَيْئَةُ الْهَيْئَةُ وَاحِدًا وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ

(۴۶- عنکبوت)

اور نہ مناظرہ کرو اہل کتاب کے گراس طریق سے جو بہتر ہے اور  
جنہوں نے ان میں سے اپنے اوپر ظلم کیا ہے ان کو تو سر سے  
منہ ہی نہ لگاؤ اور کہو کہ ہم ایمان لاتے ہیں اس چیز پر جو ہماری  
طرف اتاری گئی ہے اور اس چیز پر بھی جو تمہاری طرف اتاری گئی  
اوپہا تھا۔ اسی کا معنی ایک ہی ہے اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں۔

اسی اصول کے اہتمام میں اہل کتاب کے سامنے توحید کی دعوت ایسے الفاظ میں پیش کی گئی ہے جس  
سے واضح ہوتا ہے کہ جب اہل ایمان اور اہل کتاب میں بحیثیت اصول کے یہ چیز یکساں طور پر مسلم ہے تو پھر  
اس کے نتائج اور مقتضیات میں باہم کوئی اختلاف کیوں ہو!

کہہ دے اہل کتاب آؤ اس بات کی طرف جو ہمارے اور  
تمہارے درمیان مسلم ہے وہ یہ کہ ہم زندگانی کریں گوارا نہ کی  
اور نہ بنائیں کسی چیز کو اس کا ساتھی اور نہ بنائے ہم میں سے کوئی  
کسی کو رب اللہ کے سوا پس اگر وہ اس کے مقتضیات سے اعراض  
کریں تو اعلان کر دو کہ گواہ رہو کہ ہم اللہ ہی کے فرمانبردار ہیں۔

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ  
سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا  
نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا  
أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَتَقُولُوا  
إِن شَاءَ رَبِّنَا مُسْلِمُونَ (۶۴- آل عمران)

قرآن نے مجادلہ کی عملی مثالیں جو نقل کی ہیں اور جن کی تعریف فرمائی ہے ان پر غور کرنے سے معلوم  
ہوتا ہے کہ مجادلہ درحقیقت نام ہے اس بات کا کہ اپنی بات منوانے کے لیے، مخاطب پر محبت، اعتماد و  
حسن اخلاق اور حسن استدلال سے گھیرے ڈالنے جائیں یہاں تک کہ وہ داعی کی دل سوزی، اس کی  
بے لوثی اور اس کے اخلاص سے متاثر ہو کر اس کی بات کی صداقت پر غور کرنے اور اس کو تسلیم کرنے پر آمادہ  
ہو جائے۔ قرآن نے اس طرح کے متعدد مجادلے نقل کیے ہیں جن کی تفصیل میں طوالت ہے۔ ہم صرف  
ایک مجادلہ بطور مثال ذکر کریں گے تاکہ یہ واضح ہو سکے کہ کس طرح کے پر محبت اصرار و اظہار کو مجادلہ کے  
سے تعبیر فرمایا گیا ہے اور اس کی تعریف کی گئی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قوم لوط کے

سے جو مجاہد لک ہے قرآن نے اس کی تعریف فرمائی ہے کہ یہ مجاہدان کی دروہندی اور ول سوزی کا نتیجہ تھا۔  
اس مجاہد کی تفصیل تورات میں اس طرح بیان ہوئی ہے:

تب ابرہام نے نزدیک جا کر کہا کیا تو نیک کو بے کے ساتھ ہلاک کرے گا؟ شاید اس شہر میں بچا س  
راستباز ہوں۔ کیا تر سے ہلاک کرے گا اور ان بچا س راستبازوں کی خاطر جو اس میں ہوں اس مقام  
کو چھوڑے گا، ایسا کرنا تجھ سے بعید ہے کہ نیک کو بے کے ساتھ مار ڈالے اور نیک بے کے برابر ہو جائیں۔  
یہ تجھ سے بعید ہے۔ کیا تمام دنیا کا انصاف کرنے والا انصاف کرے گا؟ اور خداوند نے فرمایا کہ اگر مجھے سدا  
میں شہر کے اندر بچا س راستباز ملیں تو میں ان کی خاطر اس مقام کو چھوڑ دوں گا۔ تب ابرہام نے جواب دیا  
اور کہا کہ دیکھیے! میں نے خداوند سے بات کرنے کی جرأت کی اگرچہ میں خاک اور راکھ ہوں۔ شاید  
بچا س راستبازوں میں پانچ کم ہوں کیا ان پانچ کی کمی کے سبب تو تمام شہر کو فیت کرے گا اس نے  
کہا اگر مجھے وہاں پینتالیس میں تو میں اسے فیت نہیں کروں گا۔ پھر اس نے اس سے کہا شاید  
وہاں پانچ میں تب اس نے کہا میں ان چالیس کی خاطر بھی یہ نہیں کروں گا۔ اس نے کہا اگر مجھے وہاں  
تیس ہی ملیں تو بھی میں ایسا نہیں کروں گا۔ پھر اس نے کہا دیکھیے! میں نے خداوند سے بات کرنے  
کی جرأت کی۔ شاید وہاں میں ملیں۔ اس نے کہا میں اسے جس کی خاطر بھی فیت نہیں کروں گا۔  
تب اس نے کہا اگر خداوند ناراض نہ ہو تو میں ایک بار اور کچھ عرض کروں۔ شاید وہاں دس ملیں  
اس نے کہا میں دس کی خاطر بھی اسے فیت نہیں کروں گا۔ جب خداوند ابرہام سے باتیں کر چکا  
تو چلا گیا اور ابرہام اپنے مکان کو لوٹا۔ (پیدایش ۲۳-۲۴)

اس طرز کلام، اس طرز سخن طلب اور اس طرز استدلال و اصرار کو قرآن نے مجاہد سے تعبیر کیا ہے اور  
اس مجاہد کی تعریف فرمائی ہے۔ اگر لوگ انہی مجاہدوں کو اپنے مناظروں کے جواز کی دلیل قرار دیتے ہیں تو  
چاہیے کہ جو روح اس مجاہد کے اندر ہے وہی روح اپنے مناظروں کے اندر پیدا کریں اور اسی لطف و محبت  
اور ول سوزی و دروہندی کے ساتھ اپنی بات مخاطب کے سامنے پیش کریں نہ کہ سارا اہتمام رزم و پیکار  
اور جنگ و قتال کا ہو اور اس کا نام رکھ لیا جائے مناظرہ اور اس کے جواز کی دلیل لانی جائے انبیاء کی زندگی سے

اسی طرح قرآن مجید نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایک معراج بھی نقل فرمایا ہے جو ایک بادشاہ اور ان کے درمیان ہوا ہے اس معراج کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ "میرا رب وہ ہے جو مارتا اور جلاتا ہے" اس کے جواب میں بادشاہ نے کہا کہ "میں مارتا اور جلاتا ہوں" اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ "میرا پروردگار سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو اس کو مغرب سے نکال"۔ اس مناظرہ کو اگر مناظرہ کے اصولوں پر پرکھا جائے جن کی تعلیم ہماری مناظرہ کی کتابوں میں دی جاتی ہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کچھ اچھے مناظرہ ثابت نہ ہوں گے کیونکہ وہ بادشاہ کے اس قول پر کہ "میں مارتا ہوں اور جلاتا ہوں" بہت کچھ معارضہ کر سکتے تھے جو انہوں نے نہیں کیا بلکہ جو سی ان کے سامنے یہ حقیقت آئی کہ یہ شخص مناظرہ اور اپنی بات کی طرح کہنے پر تیار ہے وہ ایک منکرت بات کنگر فوراً علیحدہ ہو گئے جس سے فی الجہد اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ اگر داعی حق کو مخاطب کے متعلق یہ اندازہ ہو جائے کہ یہ بات کنگر سنا اور سمجھنا نہیں چاہتا بلکہ معارضہ اور مناظرہ برقرار آیا ہے تو اس کے منانے کے درپے نہیں ہونا چاہیے بلکہ گفتگو کو ختم کر دینا چاہیے۔

## ایک ضروری معذرت

اس پرچہ میں "زکوٰۃ" والے مضمون کی قسط نہیں پیش کی جا رہی ہے۔ مجبوری یہ ہے کہ اعداد و شمار کے متعلق جن کتابوں کی ضرورت تھی، وہ خلاف توقع بروقت نہیں مل سکیں۔ ضروری کتابوں کے ہیسا ہو جاتے ہی اس سلسلہ کو مکمل کر دیا جائے گا۔ انشاء اللہ۔

(نسیم صدیقی)